© rasailojaraid.com

نقطۂ نظر

اسلامی معاشی نظام
۔۔۔ نفاذ ۔۔۔
رکاوٹیں ۔۔۔ عملی تجاویز

محمد طاسین

ایک نہایت ہی اہم لیکن ساتھ ہی مشکل ترین مسئلہ جو آج پاکستان جیسے مسلم ممالک کو ہر جگہ درپیش ہے اور اپنے حل کا شدید تقاضا کر رہا ہے وہ یہ کہ ان کے ہاں فی الوقت معاشی ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام' قائم اور رائج ہے اس کو کس طرح ختم کیا جائے اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کس طریقہ سے عمل میں لایا جائے؟

یہ مسئلہ ایسے مسلمان زعماء و مصلحین کے لئے سخت بے چینی اور شدید پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے جو اپنے نام نہاد اسلامی معاشروں کو حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بنانے کی اپنے اندر سچی تمنا و تڑپ رکھتے اور بالیقین یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو جاتا کوئی معاشرہ حقیقی طور پر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا لہٰذا وہ پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تجویز اور تلاش کرنے میں سرگرداں اور مصروف ہیں' میری یہ تحریر بھی اسی مقصد اور اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

جن وجوہ کی بنا پر مسئلہ مذکور نہایت اہم ہے ان میں سے ایک خاص اور نمایاں وجہ یہ کہ بد قسمتی سے آج ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں میں بڑی کثرت کے ساتھ جو گونا گوں انفرادی اور اجتماعی برائیاں اور طرح طرح کی جو سماجی' معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ثقافتی خرابیاں اور بدعنوانیاں ہیں غور سے دیکھا جائے تو ان کے اسباب میں سب بڑا سبب وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام ہے جو ان معاشروں میں موجود اور بروئے کار ہے کیونکہ اس نظام کی یہ فطرت اور ذاتی خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو بالکل مختلف طبقوں میں منقسم کرتا اور بھیانک قسم کے غیر فطری معاشی عدم توازن کا باعث بنتا ہے۔ ایک طرف بہت تھوڑی تعداد میں گویا پانچ فیصد سے بھی کم ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے قبضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں قومی دولت اور وسائل دولت کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے قطعات اراضی' عالیشان عمارات' کارخانوں' فیکٹریوں' تجارتی مراکز اور کاروباری اداروں کے مالک کہلاتے اور نہایت شان و شوکت' عیش و عشرت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گزارتے اور اپنی مالداری و دولتمندی کا فاخرانہ انداز سے اظہار کر کے دوسروں پر اپنی برتری جتلاتے اور رعب جماتے ہیں' اور دوسری طرف پچانوے فیصد سے بھی زائد افراد کی معاشی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو یا تو سادہ سے سادہ شکل اور معمولی سے معمولی معیار میں باقاعدگی کے ساتھ بنیادی معاشی ضروریات تک میسر نہیں ہوتیں نہ پیٹ بھر کر دو وقت معمولی کھانا ملتا' نہ تن ڈھانپنے کے لئے مناسب لباس' نہ رہنے سہنے کے لئے سادہ سا گھر میسر ہوتا اور نہ علاج و تعلیم کی کوئی سہولت نصیب ہوتی ہے لہٰذا یہ معاشی لحاظ سے ہمیشہ بدحال و پریشان رہتے ہیں اور یا پھر اگر ان میں سے کچھ افراد کو بنیادی معاشی ضروریات کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں یعنی ان کی اتنی آمدنی ہوتی ہے جس سے روز مرہ کی ضروریات تو کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں لیکن کل کے لئے کچھ بچتا بچاتا نہیں' گویا ضرورت سے زیادہ رزق و مال کمانے کے راستے ان پر مسدود ہوتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش اور جدوجہد کریں' ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہنگامی اور ناگہانی ضروریات کے وقت ان کو معاشی پریشانی کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے' دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو کھیتوں' کارخانوں' منڈیوں' بازاروں' دکانوں اور دفتروں میں محنت کرتے اور قومی معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن ان کو ان کی سعی و محنت کا پھل بہت کم ملتا ہے۔ اس کا بڑا حصہ زمیندار' کارخانہ دار' ساہوکار' کمپنیوں کے ڈائریکٹر اور سربراہ ہتھیا لیتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور سرمائے کے مالک ہوتے ہیں' بہرحال یہ حقیقت واقعہ اور عام مشاہدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر قومی دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سمٹتی اور افراد کے درمیان غیر فطری قسم کا معاشی نشیب و فراز ظہور میں آتا ہے' ایک طرف انتہائی امیر و خوشحال اور دوسری طرف انتہائی غریب و خستہ حال لوگ وجود میں آتے ہیں اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن سے معاشرے میں مختلف قسم کی انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا ظہور میں آنا ایک قدرتی امر ہے جن سے اسلام اپنے مجوزہ صالح معاشرے کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے کیونکہ ان کے ذریعے عام بدامنی و بے چینی پیدا ہوتی اور اجتماعی فلاح و بہبود پر منفی اثر پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرضیکہ کسی معاشرے کے صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج و موجود ہے وہ ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم و رائج ہو لہٰذا اس سے اس اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مسئلہ مذکور کو حاصل ہے۔

ایک دوسری وجہ جس سے مسئلہ مذکور کی غیر معمولی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ عہد حاضر کو معاشیات کا عہد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عہد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گویا یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے باقی سب مسائل اس کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں آج کا انسان سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتا ہے جتنی دلچسپی اس کو معاشی مسئلے سے ہے اتنی دوسرے کسی مسئلہ سے نہیں، معاشی مسئلے کی اہمیت اس کے نزدیک اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آج کسی نظام حیات کے اچھے برے اور قابل قبول اور قابل رد ہونے کا معیار یہ بن کر رہ گیا ہے کہ معاشی مسئلے کا حل وہ کیا پیش کرتا ہے اگر اس کا پیش کردہ حل بہتر اور اطمینان بخش ہے تو وہ نظام حیات قابل قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خامیاں اور برائیاں کیوں نہ پائی جاتی ہوں، اس کے برعکس جس نظام حیات کا پیش کردہ معاشی لائحہ عمل اچھا اور اطمینان بخش نہیں وہ اچھا اور قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہے اگرچہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں، اور یہ کہ معاشی مسئلے کا سب سے بہتر اور مثالی حل وہ ہو سکتا ہے۔ جس سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو معاشی خوشحالی بھی حاصل ہوتی اور معاشی ترقی کا بھی موقع ملتا ہو۔

اور چونکہ اسلام کے معاشی نظام کے اندر یہ خوبی اور صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ جو معاشرہ اس پر عمل کرے اس کے ہر ہر فرد کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو سکتی اور معاشی ترقی کا بھی مناسب موقع مل سکتا ہے لہٰذا عہد حاضر میں اس کو کسی مسلم معاشرے کے اندر عملی طور پر پیش کرنا اور بروئے کار لانا، دنیا میں اسلامی نظام حیات کی مقبولیت اور حقانیت کا بہترین، ذریعہ اور موثر وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے، اور چونکہ مسئلہ مذکور کا اس سے گہرا تعلق ہے لہٰذا اس سے بھی اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی اور اس کا اہم ہونا ثابت اور واضح ہوتا ہے، مسئلہ مذکور کے اہم ہونے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں لیکن میں بغرض اختصار صرف مذکورہ دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجوہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں جن سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ترین مسئلہ ہونے کی جو وجوہات ہیں ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ فی الوقت مثلاً ہمارے ملک پاکستان میں جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام قائم و رائج ہے چونکہ طویل عرصہ سے ہے لہٰذا اس کی جڑیں خاصی گہری اور مضبوط ہیں عام لوگوں کے لئے جانا پہچانا اور مانوس نظام ہے نیز اس کے ساتھ معاشرے کے جس طبقہ کے معاشرتی' معاشی اور سیاسی مفادات وابستہ ہیں وہ طبقہ اثر و رسوخ اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے معاشرے میں اعلیٰ اور ممتاز حیثیت و مرتبہ رکھتا ہے حکومت اور اس کے مختلف اداروں میں اس طبقہ کی موثر نمائندگی اور اس کی پوزیشن نہایت مستحکم ہے اجتماعی امور و معاملات صرف اس طبقہ کی مرضی سے طے پاتے اور چلتے ہیں معاشرے کے باقی افراد اس طبقہ کے طے کردہ فیصلوں کو ماننے اور ان کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں خواہ دل سے کتنے ہی ناراض و ناخوش کیوں نہ ہوں۔ چونکہ اس طبقہ کی معاشرے میں ہر لحاظ سے جو بالا تر اور ممتاز حیثیت و مرتبت ہے وہ مروجہ معاشی نظام کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ اپنے مختلف مفادات اور اپنی ممتاز اور بالاتر حیثیت کے تحفظ کی خاطر ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ معاشی نظام اپنی حالت پر قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آنے پائے جس سے اس کے مفادات کو نقصان پہنچتا اور اس کی حیثیت متاثر و مجروح ہوتی یا ہو سکتی ہو خواہ وہ تبدیلی دین اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ اس طبقہ کے اکثر لوگ دین اسلام سے صرف اس حد تک دلچسپی رکھتے اور اس کو مانتے ہیں جس حد تک ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو' بہرحال سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ موجود معاشی نظام کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتا اور ہر طریقہ سے اس کا تحفظ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے' جو لوگ اس نظام کو بدلنے کی بات کرتے ہیں ان کو یہ طبقہ اپنا بدترین دشمن قرار دیتا اور ان کے خلاف تمام ایسے حربے استعمال کرانا ضروری گردانتا ہے جن سے ان کی زبان بند اور ان کی عملی کوشش اور جدوجہد ختم ہو سکتی ہو' اس سلسلہ میں وہ نرمی و سختی اور ترغیب و ترہیب دونوں سے کام لیتا اور تبدیلی چاہنے والوں کو ان کی راہ سے ہٹاتا ہے' معاشی نظام میں تبدیلی چاہنے والے بلحاظ تعداد عظیم اکثریت میں ہونے کے باوجود مالی وسائل کی کمی اور باہمی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتے اس لئے بھی کہ حکومت وقت مخالف طبقہ کے افراد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ہوتی ہے اگر وہ جوش جذبے میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو انتظامیہ تشدد کے ذریعے ان کو روکتی اور کچل دیتی ہے' اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو پرامن مطالبات کئے جاتے ہیں مختلف طریقوں سے ٹال دیئے جاتے اور بلحاظ نتیجہ فضول ثابت ہوتے ہیں یعنی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا جس سے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر آئے۔

غور فرمایئے کسی معاشرے میں موجود جس معاشی نظام کو داخلی اور اندرونی طور پر معاشرے کے بااثر اور طاقتور افراد کی پرزور حمایت و تائید حاصل ہو وہ اس کو ہر طریقہ سے بحال و برقرار رکھنا چاہتے ہوں اس معاشی نظام کو بدلنا کتنا مشکل اور دشوار مسئلہ ہو سکتا ہے اور پھر جبکہ اس نظام کو بیرونی اور خارجی طور پر زبردست حمایت و تائید حاصل ہو یعنی جن غیر مسلم ملکوں اور معاشروں سے اس مسلم معاشرے کے سیاسی اور معاشی روابط و تعلقات ہوں اور وہ سیاسی طور پر ان کے تابع وزیر اثر اور معاشی طور پر ان کا محتاج اور دست نگر بلکہ مقروض ہو وہ بھی یہی چاہتے ہوں کہ جس طرح ان کے ہاں سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے اسی طرح اس مسلم ملک و معاشرے میں بھی سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہونے پائے جس سے ان کے مفاوات کو گزند اور نقصان پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں اس معاشی نظام کو تبدیل کرنا بہت ہی زیادہ مشکل اور انتہائی صعب و دشوار ہو جاتا ہے اور چونکہ ہمارے پاکستانی معاشرے کی حالت تقریباً" ایسی ہی ہے اس میں رائج اور موجودہ سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ معاشی نظام کو بحال و برقرار رکھنے کے لئے اندرونی و بیرونی قوتیں متفق ہیں' پاکستان کے جن مغربی ممالک سے معاشی اور اسلامی تعلقات ہیں ان کی پوری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستان میں جو معاشی نظام فی الوقت موجود ہے وہ برقرار رہے لہٰذا اس کو بدلنے اور ختم کرنے کا مسئلہ اگرچہ محال و ناممکن نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور ہے۔ کوئی حقیقت پسند انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی ملک و معاشرے میں رائج جمے جمائے مستحکم نظام کو تبدیل اور ختم کرنے کے اصولی طور پر دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں ایک تدریجی اصلاح کا طریقہ اور دوسرا فوری انقلاب کا طریقہ' تدریجی اصلاح کے طریقہ کا مطلب ہے کہ کسی فاسد نظام کو پرامن طور پر رفتہ رفتہ بدلنے اور درجہ بدرجہ درست کرنے کی علمی و عملی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کرنا۔ بالفاظ دیگر تصادم و ٹکراؤ سے بچتے ہوئے بتدریج ایسی تبدیلیاں عمل میں لانا جن سے فاسد نظام کا فساد دور ہو کر مطلوبہ صلاح وجود میں آجائے۔ تدریجی اصلاح کے اس طریقہ میں ضروری ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے اس کے لئے موافق اور سازگار' ذہنی اور خارجی ماحول تیار کیا جائے' موافق اور سازگار ذہنی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فوائد و ثمرات ہونگے' بالفاظ دیگر ذرائع نشرو اشاعت سے دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور واضح کیا جائے کہ جس چیز کو بدلنا مقصود ہے اس میں کیا برائیاں اور خرابیاں ہیں اور اس کی جگہ جس متبادل چیز کو لایا جا رہا ہے اس میں کیا اچھائیاں اور خوبیاں ہیں اور یہ کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہونگے دینی و روحانی لحاظ سے اور دنیوی اور مادی لحاظ سے' تاکہ خاص طور پر ان لوگوں کے ذہن اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار اور ہموار ہو جائیں جن کو اس تبدیلی سے فوری طور پر نقصان پہنچتا ہو اور ان کی طرف سے مخالف رد عمل کا اندیشہ نہ رہے' اور سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ اس تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مادی موانع کو دور کرنا' چونکہ ذہنی اور خارجی ماحول کو ہونے والی تبدیلی کے موافق و سازگار بنانے کا کام طویل وقت کے ساتھ خاصی دماغی و جسمانی محنت بھی چاہتا ہے لہٰذا تدریجی اصلاح کے طریقہ میں کافی دیر لگتی اور خاصی محنت کرنی پڑتی ہے' بہرحال اس طریقہ سے جو اصلاح وجود میں آتی ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتی نیز یہ طریقہ تصادم اور خون خرابے سے محفوظ ہوتا ہے۔

فوری انقلاب کے طریقہ سے مراد ہے طاقت و قوت کے ذریعے تشدد و سختی کے ساتھ' رائج نظام کے ظاہری ڈھانچے کو الٹ پلٹ اور تہہ و بالا کر دینا اور اس کی جگہ اپنی مرضی کا نظام و ڈھانچہ بزور نافذ کر دینا' فوری انقلاب کے اس طریقہ میں اگرچہ وقت کم لگتا اور جلد مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس میں تصادم اور خون خرابہ ضرور ہوتا اور کافی جانی و مالی نقصان بھی ضرور اٹھانا پڑتا ہے' نیز اس طریقہ سے جو تبدیلی اور اصلاح وجود میں آتی ہے عموماً" عارضی و ناپائیدار ہوتی ہے' جب تک اس کی پشت پر طاقت و قوت رہتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور جب وہ ڈھیلی اور کمزور پڑتی ہے تو شدید رد عمل ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور ناکامی و مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے مطلب یہ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل شدہ کامیابی' ناکامی سے بدل جاتی ہے' اسی طرح اس طریقہ میں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انقلابی جماعت ضروری طاقت حاصل کرنے سے پہلے میدان میں کود پڑتی ہے تو مقابلہ میں شکست کھاتی اور ذلیل و خوار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور حصول مقصد کی منزل تک پہنچ ہی نہیں پاتی' تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہیں لہٰذا اس کے نزدیک معاشرہ انسانی سے ظلم و فساد کو دور کر کے اس کی جگہ عدل و قسط کو قائم کرنے کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے امن و سلامتی کا طریقہ ہے اور جس کے ذریعے حاصل شدہ صلاح و درستی' مستقل و پائیدار ہوا کرتی ہے' حضور نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرہ کی جس طریقہ سے اصلاح فرمائی وہ یہی تدریجی اصلاح کا طریقہ تھا۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ہر اصلاحی اقدام سے پہلے اس کے لئے سازگار ذہنی و خارجی فضا تیار فرمائی اور اصلاح کا یہ عظیم کام بتدریج تقریباً" ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوا۔ گویا آپ نے اس مقدس کام میں ہمیشہ اس چیز کو ملحوظ و مدنظر رکھا کہ وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے' رفتار دھیمی و ست رہتی ہے تو رہے لیکن جو اصلاح عمل میں آئے پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور جو قدم آگے بڑھا ہے کسی طرح پیچھے نہ ہٹے' نیز اس میں اپنی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہ آئے جو تبدیلی بھی ہو پرامن طور پر ہو' واضح رہے کہ بعض مواقع پر کفار و مشرکین سے جو تصادم ہوا اور قتال کی نوبت آئی وہ دفاعی اور جوابی کارروائی کے طور پر تھا اور جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راہ سے ہٹایا اور جنگ و قتال کی روش سے ان کو باز رکھا جائے چنانچہ جو لوگ ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کر لیتے اور مزاحمت ختم کر دیتے ان کو چھوڑ دیا جاتا پھر اگر ذمیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر رہتے تو ان کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا ہے جبر و اکراہ کے ذریعے ان کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاتا' یہ ضمنی بات قدرے طویل ہو گئی۔ اصل بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے نزدیک اصلاح معاشرے کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے فوری اور خونی انقلاب کا طریقہ نہیں۔ بہرکیف اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان جیسے ملک و معاشرے میں معاشی نظام کو بدلنے کا مسئلہ بے حد مشکل مسئلہ ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ترین ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء اسلام کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف محض فروعی قسم کا نہیں بلکہ اصولی نوعیت کا ہے' اسی طرح یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کی قسم کا نہیں بلکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی نوعیت کا ہے ایک ہی اہم معاشی معاملہ بعض علماء کے نزدیک حلال و جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک حرام و ناجائز ہے۔ مثلاً" بعض علماء کرام کے نزدیک زمین کی شخصی ملکیت کی تحدید جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک بالکل ناجائز ہے۔ بعض علماء مزارعت و بٹائی کے معاملہ کو بنیادی طور پر جائز اور دوسرے بعض اس کو بنیادی طور پر ناجائز بتلاتے ہیں' بعض علماء قرض پر مشروط ہر زیادہ کو ربو اور قطعی حرام کہتے ہیں خواہ وہ قرض نجی ضروریات سے تعلق رکھتا ہو یا تجارتی اور پیدا آور مقاصد سے متعلق ہو' اسی طرح قرض پر وہ مشروط زیادتی خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو' جبکہ دوسرے بعض علماء کا کہنا ہے کہ صرف ایسے قرضوں پر مشروط زیادتی ربو اور حرام ہے جو ذاتی ضروریات اور نجی استعمال سے تعلق رکھتے ہوں ان قرضوں پر مشروط زیادتی حرام نہیں جو تجارتی مقاصد سے تعلق رکھتی ہوں اور یہ کہ قرض کے اصل مال پر صرف وہ مشروط زیادتی سود اور حرام ہے جو اضعافا" مضاعفتہ ہو وہ زیادتی سود اور حرام نہیں جو معمولی اور ابتدائی درجہ کی ہو یعنی صرف مرکب سود حرام ہے مفرد سود حرام نہیں' بعض علماء کے نزدیک تجارتی نوعیت کے بیمہ و انشورنس کی ہر قسم اور ہر شکل حرام و ناجائز ہے جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک بیمہ و انشورنس کی ہر شکل حلال و جائز ہے' بعض علماء کے نزدیک جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا کاروبار حلال و جائز اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک حرام و ناجائز ہے' بعض علماء کے نزدیک غیرحاضر اور غیرموجود اشیاء کی خرید و فروخت بالکل ناجائز اور دوسرے بعض کے نزدیک کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے' بعض علماء کے نزدیک ادھار چیز اس ثمن سے زائد پر بیچنا خریدنا جائز ہے جو بازار میں بصورت نقد اس چیز کی ہو جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک یہ ربو اور حرام ہے۔ گھڑ دوڑ پر شرط لگانا بعض علماء کے نزدیک جوا و قمار اور حرام ہے حالانکہ دوسرے بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں۔ اسی طرح بعض علماء مضاربت کی ایسی شکل کو جائز کہتے ہیں جس میں رب المال کے اصل مال کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرض کے مال کی طرح تحفظ حاصل اور اس پر کچھ نہ کچھ اضافے کی ضمانت ہو' جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک یہ شکل مضاربت کی یہ شکل ناجائز اور ربٰو کے حکم میں ہے' بعض علماء حکومتی ٹیکسوں کے موجودہ نظام کو غیر اسلامی اور ناجائز بتلاتے جبکہ دوسرے بعض علماء اس کو اسلام کے مطابق اور جائز فرماتے ہیں' زکوٰۃ کے متعلق بھی کئی مسائل میں اختلاف ہے بعض علماء اس کو ٹیکس کہتے ہیں اور حالات کے مطابق اس کی شرح میں کمی و بیشی کے قائل ہیں جبکہ دوسرے بعض علما سختی کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکس ہے اور اس کی شرح میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ بعض علماء ملوں اور کارخانوں کی مشینری اور کرائے پر چلائی جانے والی بلڈنگوں و عمارتوں کو مال تجارت اور مال نامی قرار دیتے اور اصل سرمائے پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ واجب بتلاتے ہیں جبکہ دوسرے بعض علماء کارخانوں اور عمارتوں کے اصل سرمائے پر نہیں بلکہ ان سے حاصل شدہ منافع اور کرائے پر زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں' مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کے معاملہ میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کرائے والی چیز کا مالک صرف اتنا کرایہ لے سکتا ہے جتنا کہ استعمال سے کرائے والی چیز کی مالیت اور قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے' اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک کرائے والی چیز کا مالک جتنا چاہے کرایہ لے سکتا ہے شرعاً" اس پر کوئی پابندی نہیں' اشیائے ضرورت کی قیمتیں مقرر کرنے کا حکومت کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بھی علماء کے مابین اختلاف ہے بعض تسعیر یعنی حکومت کی طرف سے نرخ مقرر کرنے کو جائز اور بعض ناجائز فرماتے ہیں۔

مذکور امور معاملات کے علاوہ معاشیات کے بعض اصولی تصورات اور بنیادی نظریات کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے مثلاً" یہ کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی عامل پیدائش دولت ہے یا نہیں؟ بعض علماء محنت کی طرح سرمایئے کو بھی پیدائش دولت کا حقیقی سبب مانتے اور دوسرے بعض اس کا انکار کرتے ہیں' بالفاظ دیگر بعض علماء اسلام کی رو سے اس تصور اور نظریئے کو صحیح مانتے ہیں کہ دولت صرف انسان کی دماغی جسمانی محنت و مشقت سے پیدا ہوتی ہے کسی سرمائے سے پیدا نہیں ہوتی جبکہ دوسرے بعض علماء از روئے اسلام کہتے ہیں کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے۔ ایک اور اصولی تصور اور نظریہ سرپلس ویلیو اور قدر زائد کا تصور و نظریہ ہے بعض علماء کے نزدیک اسلام کے حوالے سے یہ تصور و نظریہ صحیح و درست ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک غلط و باطل ہے قدر زائد جس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی میں فائض القیمہ کہا جاتا ہے معاشیات کی ایک اصطلاح ہے جس کا خاص مفہوم و مطلب ہے۔ بہرحال یہاں عرض کرنا یہ مقصود ہے کہ کتنے ہی بنیادی نوعیت کے معاشی نظریات اور اقتصادی امور و معاملات ہیں جن کے متعلق اسلام کے حوالے سے علماء کرام کے مابین شدید اختلاف ہے اور پھر ہر عالم پور زور و شور کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی رائے صحیح اور اسلامی اور دوسرے کی غلط و غیر اسلامی ہے ایسی صورت حال میں بتلایئے کہ کوئی کیا سمجھے کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے اور وہ دنیا کے دوسرے معاشی نظاموں سے کیسے مختلف اور کیسے بہتر ہے؟

بنابریں صاف ظاہر ہے کہ جب تک جید علماء کرام کے اتفاق سے قرآن و حدیث کے مطابق اسلام کا معاشی نظام متعین نہ ہو جائے اس وقت تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو سکتا' اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ علماء کرام کے مابین اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جو اختلاف آراء ہے اس کا دور ہونا اگرچہ ناممکن اور محال نہیں لیکن بے حد مشکل و دشوار ضرور ہے۔

بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء اسلام کے مذکورہ اختلافات کی موجودگی میں ان نیک دل حضرات کی یہ تمنا و آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی کہ ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اندر موجودہ استحصالی سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام عمل میں آئے اور اس کی برکات کا ظہور ہو۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ہونے کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے نافذ ہونے اور عمل میں آنے کے لئے جس طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہونا ضروری اور شرط مقدم ہے بدقسمتی سے موجودہ نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود نہیں پاکستان میں تو بالیقین موجود نہیں' اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ کہ اسلام کے جو معاشی اصول و احکامات ہیں ان کا اسلام کے ایمانی عقائد اور عبادات سے نہایت گہرا تعلق ہے وہ اس طرح کہ ان اصول و احکامات پر عمل کرنے کے لئے افراد معاشرہ کے ذہنوں میں عدل و احسان کے جن وسیع و ہمہ گیر اخلاقی احساسات کا موجود ہونا ضروری ہے۔ وہ ایمانی عقائد کے ذریعے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ و بیدار رہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ یوں تو ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر عدل و احسان کا جذبہ و احساس موجود ہوتا ہے لیکن یہ مطلق اور مجرد ہوتا ہے بعد میں اس کے دائرہ کے اندر جو تنگی و کشادگی ہوتی ہے وہ اس شعور کے مطابق ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو تعلیم و تربیت وغیرہ سے انسانی ذہن میں ابھرتا ہے شعور پست و محدود ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی پست و محدود ہوتا اور شعور بلند اور وسیع ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی بلند اور وسیع ہوتا ہے چنانچہ بعض افراد کا جذبہ عدل و احسان صرف اپنے خاندان و کنبے کے افراد کے حد تک محدود ہوتا ہے لہٰذا ان کے ساتھ تو ان کا برتاؤ عدل و احسان کا ہوتا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک عدل و احسان کا نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بعض افراد کے شعور اور جذبہ عدل و احسان کا دائرہ اپنے قبیلے اور اپنی قوم و ملت کے افراد تک وسیع ہوتا لہٰذا وہ عملی طور پر ان لوگوں سے تو عدل و احسان کا برتاؤ کرتے ہیں جو اس کے قبیلے اور ان کی قوم و ملت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے سوا باقی لوگوں سے اس کا برتاؤ عدل و احسان کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ اس کے خلاف ہوتا ہے، بہرحال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہم ہر سطح پر برابر مشاہدہ کرتے اور اس کے ان نتائج و عواقب کو بھی دیکھتے اور جانتے ہیں جو عدل و احسان کے محدود جذبے اور برتاؤ کی وجہ سے انسانوں کے مابین باہمی عداوت و نفرت اور نزاع و تصادم کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

اسلام چونکہ پوری انسانیت کا دین ہے وہ ایک ایسے عالمگیر انسانی معاشرے کا قیام چاہتا ہے جو عدل و قسط پر قائم ہو اور جس کا ہر فرد بلا کسی تخصیص و امتیاز دوسرے ہر فرد کے ساتھ عدل و قسط کا برتاؤ کرتا یعنی جس میں ہر انسانی بلاتخصیص رنگ و نسل، بلا امتیاز قوم و وطن، بلاتفریق قبیلہ و خاندان اور بلااستثناء دین و مذہب ہر دوسرے انسان کا ہر حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ادا کرتا ہو بلکہ بعض حالات میں اپنے حق کا دوسروں کے لئے ایثار بھی کرتا ہو لہٰذا ضروری تھا کہ ایسے معاشرے کے افراد کے اندر عدل و احسان کا جو اخلاقی جذبہ ہو اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع اور عالمگیر ہو، اور پھر چونکہ عدل و احسان کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر جذبہ صرف اس ایک اللہ تعالیٰ کے اعتقاد و یقین اور اس پر ایمان سے ہی انسان کے اندر پیدا ہو سکتا تھا جس کی صفات میں سے ایک صفت رب العالمین، رب الناس ہے یعنی اقوام عالم اور تمام انسانوں کو پالنے، پوسنے، نشوونما دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے والا، سب کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور دوسری صفت رحمان و رحیم ہے جس کا مطلب ہے عالمگیر اور دائمی رحمت والا اور جس کی رحمت و مہربانی ہر شے پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس سے محروم نہیں، یعنی اپنی رحمت سے سب کو نوازنے والا، لہٰذا اسلام نے انسان کو سب سے پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو تعلیم دی وہ اللہ رب العالمین' رحمان و رحیم اور مالک یوم الدین پر ایمان لانے اور اعتقاد و یقین رکھنے کی تعلیم ہے۔ قرآن مجید کی پہلی سورت جس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو نماز کی ہر رکعت میں لازم و واجب قرار دے کر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مومن کے ذہن اور دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات کی یاد ہمیشہ زندہ و بیدار رہے کیونکہ اللہ کی ان صفات کا اعتقاد و شعور بندہ مومن کے جذبہ و احسان کو عالمگیر وسعت دیتا اور اس کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ تمام خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرے اور سب انسانوں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آئے اور پھر چونکہ اللہ کی عبادت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان صفات سے حاصل شدہ اخلاقی احساسات و جذبات زندہ' بیدار اور تازہ رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلام قبول کرنے والوں کو ایمانی عقائد کے بعد جو دوسری تعلیم دی گئی وہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی عبادت کی تعلیم تھی بعد میں صوم اور حج وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد تدریج کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں یعنی معاشرتی' معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے متعلق ایجابی و امتناعی احکام اوامر و نواہی کی شکل میں دیئے گئے اور جن قرآنی آیات میں دیئے گئے ان کے شروع میں یا ایہا الذین امنو سے خطاب کیا گیا' جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عملی احکام ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں ان سے متعلق نہیں جن کے دل نور ایمان سے خالی اور محروم ہیں کیونکہ ایسے لوگ اسلام کے عملی احکامات پر دلجمعی کے ساتھ عمل کر ہی نہیں سکتے اور اگر کرلیں تو ان پر وہ اثرات و فوائد مرتب نہیں ہوتے جو ایک بندۂ مومن کے عمل پر مرتب ہوتے ہیں جو خالصتہً اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کی اطاعت کے جذبہ سے کرتا ہے۔

غرضیکہ عدل و احسان پر مبنی اسلام کی جو معاشی تعلیمات ہیں وہ صرف ایک ایسے معاشرے میں صحیح طور پر بروئے کار آسکتی اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتی ہیں جس کی بڑی اکثریت کے ذہن میں ایمانی عقائد یعنی اللہ کی ذات و صفات کا عقیدہ' آخرت کی زندگی اور جزاء و سزا کا عقیدہ' اللہ کے فرشتوں' کتابوں اور رسولوں کا عقیدہ یعنی وحی و رسالت کا عقیدہ بالخصوص قرآن مجید کے کتاب اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا عقیدہ موجود اور راسخ ہو۔ لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی طور پر موجود ہو اور عملی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہو' نیز اس معاشرے کی عظیم اکثریت فرض عبادات کی عملاً پابند و خوگر ہو کیونکہ دراصل ایسے ہی لوگوں کے اندر عدل و احسان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر جذبات و احساسات ہوسکتے ہیں جن کی تحریک سے انسان عدل و احسان والی اسلامی معاشی تعلیمات پر بلاکسی تخصیص و امتیاز عمل کرسکتا ہے۔

اس پہلو سے جب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ نام نہادی اسلامی معاشروں و ملکوں کا بے لاگ جائزہ لیتے ہیں بشمول پاکستان کے تو بیحد مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زبانی اور لفظی طور پر تو ایمان ہمارے ہاں بہت زیادہ موجود ہے لیکن قلبی' حقیقی اور معنوی طور پر ایمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پرچار کرنے اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے عملی طور پر تضاد کا شکار ہیں۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو ٹھہرے ہی اسلام اور قرآن و حدیث سے جاہل اور دنیادار۔

اسلامی معاشی نظام کے صحیح اور کامل طور پر عمل میں آنے کے لئے مذکورہ ذہنی ماحول کے ساتھ جس خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس میں اہم اور بنیادی چیز معاشرے کا بنیادی معاشی ضروریات کے لحاظ سے خودکفیل ہونا ہے کیونکہ جو معاشرہ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے خودکفیل اور اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے کہ بنیادی معاشی ضروریات مثلاً" غلہ کپڑا وغیرہ دوسروں سے ان کی مرضی اور ان کے معاشی اصولوں کے مطابق حاصل کرے اور زندگی گزارے۔ جہاں تک آسائشات اور تعیشات کی چیزوں کا تعلق ہے ان میں خودکفیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ زندگی ان کے بغیر بھی گزر سکتی ہے۔ بہرکیف ایک مسلم معاشرے کے لئے یہ لازمی و ضروری ہے کہ وہ بنیاد معاشی ضروریات سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی پیداوار اس حد تک بڑھائے کہ وہ اس کی ضرورت کے لئے کافی ہوں اور اس کے لئے دوسری قوموں کے تجربات اور نئے سے نئے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔

اوپر تیسری مشکل کے متعلق جو عرض کیا گیا اس سے بجاطور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس نام نہاد اسلامی معاشرے میں مذکورہ ذہنی اور خارجی ماحول اور فضا موجود نہ ہو ایسے معاشرے میں اسلامی معاشی نظام کے فوری نفاذ کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں نہ کوئی حکومت اس کے فوری نفاذ میں کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ کوئی اسلامی سیاسی جماعت جو بھی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسم کی بات کرتا ہے اس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے یا دوسروں کو دھوکا دینے کے لئے اور اپنا الو سیدھا کرنے کی خاطر ایسی بات کرتا ہے۔

یہاں ایک یہ بات عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پاکستان میں فی الوقت جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام موجود ہے اگر اس میں ایک چیز کی کمی کر دی اور دوسری چیز کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر یہی نظام اسلامی نظام بن جائے گا۔ ایک چیز کی کمی سے ان کی مراد بینکوں کا سود' اور دوسری چیز کے اضافہ سے ان کی مراد زکوٰۃ و عشر کا اضافہ ہے' گویا موجودہ نظام میں بینکوں کا سود ختم ہو جائے اور لوگ خود سے یا حکومت کے توسط سے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے لگیں تو موجودہ معاشی نظام' اسلامی معاشی نظام بن گیا اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں' گویا ان حضرات کے نزدیک مزارعت و بٹائی پر مبنی موجودہ زمینداری زرعی نظام بھی عین اسلامی ہے۔ سرپلس ویلیو اور قدر زائد کے وجود پر مبنی موجودہ کارخانہ داری صنعتی نظام بھی قطعاً" اسلامی ہے' مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کا کاروبار بھی بغیر کسی تحدید و تقیید کے اسلام کے مطابق اور عین اسلامی ہے۔ درآمدی برآمدی تجارت کا رائج نظام بھی جس میں غیرحاضر اور غیرموجود اشیاء کی خریدوفروخت ہوتی اور بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کے توسط سے چلتا ہے بالکل اسلامی ہے۔ اسٹاک ایکس چینج میں کمپنیوں کے کاغذی شیئرز و حصص کی جو خرید و فروخت ہوتی اور سٹہ بازی کے ذریعے قیمتوں کو جو بڑھایا گھٹایا جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ بھی صحیح اسلامی ہے۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا مروجہ کاروبار بھی بالکل اسلامی ہے۔ حکومت کی طرف سے جاری کردہ مختلف سرٹیفکیٹ اور بانڈز جن میں ادا کی گئی رقم پر مدت کے لحاظ سے متعین اضافہ مقرر ہوتا ہے کا لینا دینا بھی اسلام کے عین مطابق ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جن اہل علم حضرات کا مذکورہ خیال ہے ان کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اسلام کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق یقیناً بہت کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہوگا لیکن معاشی پہلو سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کو بہت ہی کم کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہے ورنہ وہ کبھی اسلام کے معاشی نظام کے متعلق ایسی بات نہ کہتے جو اوپر نقل کی گئی۔ ان حضرات نے قرآن و حدیث میں یہ تو ضرور پڑھا کہ ربو النسیئۃ یعنی قرضوں والا سود جس کا موجودہ بینکوں میں لین دین ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطعاً" حرام و ممنوع ہے۔ لیکن اس پر غور نہ فرمایا کہ اس کے حرام و ممنوع کی اصل اور حقیقی وجہ کیا ہے اس میں وہ کونسی برائی ہے جس کی وجہ سے شارع نے اس کو حرام و ممنوع ٹھہرایا ہے۔ اگر وہ اس پر غور فرماتے اور اس میں وہ حضرات مفسرین کرام کی ان عبارات و تصریحات کو بھی دیکھتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے جو انہوں نے اپنی تفاسیر کے اندر ربٰو کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت سے متعلق تحریر فرمائی ہیں اور پھر اس کی روشنی میں موجودہ معاشی نظام کے ان پہلوؤں کا گہرا اور تحقیقی جائزہ لیتے جو اوپر ذکر کیے گئے تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچتے کہ ان پہلوؤں میں بھی وہ برائی پوری طرح موجود ہے جس کی وجہ سے بینکوں والا سود حرام و ممنوع ہے۔۔ لہٰذا وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ معاشی نظام کے یہ پہلو اسلام کے مطابق ہیں ان میں کسی بنیادی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ملک و معاشرے کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہو جو اپنے بعض بنیادی اصولوں کی بنا پر سود کو قانوناً" جائز قرار دیتا ہے اس میں کبھی یہ بحث نہیں کی جاتی کہ نفس سود جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ اس کی کونسی قسم جائز ہے اور کونسی قسم ناجائز' اس میں سود کے متعلق اگر کبھی کوئی بحث کی جاتی ہے تو وہ اس کی شرح سے متعلق ہوتی ہے کہ کن حالات میں شرح سود کتنی ہونی اور کتنی نہ ہونی چاہیے۔ بہرحال چونکہ نظام سرمایہ داری میں سود کوئی بری چیز نہیں لہٰذا اس کے تمام اداروں میں سود کا عنصر کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ادارہ' درآمدی برآمدی تجارت کا ادارہ ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ' جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجارے اور کرایہ داری کا ادارہ۔ گویا نظام سرمایہ داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری و ساری ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ اعضاء میں خون جاری و ساری ہوتا ہے۔ بنابریں نظام سرمایہ داری کو بحیثیت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے اس کے کسی ایک جزو مثلاً" بینکاری کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا' ایک بالکل ناکام اور لاحاصل کوشش ہوتی ہے کیونکہ جزو کا مزاج ہمیشہ کل کے مزاج کے تابع رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا نمایاں ثبوت یہ کہ مرحوم جنرل ضیاء الحق کے دور میں بینکوں کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی بنانے کے لئے ماہرین اقتصادیات کا ایک پینل تشکیل دیا گیا جس میں اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی بعض ارکان شریک تھے اس پینل نے طویل محنت و کاوش کے بعد ایک کافی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفصل رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا "بلا سود بینکاری" اور پھر اس کو شائع بھی کیا گیا اس رپورٹ میں یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ بینکاری کی جو موجودہ شکل ہے وہ قطعی طور پر سودی اور غیر اسلامی ہے اس کو اسلامی اور غیر سودی بنانے کے لئے متبادل کے طور پر متعدد تجاویز پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز میں پیش کردہ معاملات کی بنیاد پر بینکاری کی جائے تو وہ غیر سودی بھی ہو گی اور اسلامی بھی لیکن اسی پینل کے ایک رکن نے جن کو ماہر اقتصادیات کی مسلمہ حیثیت سے اس میں شریک کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ سود کی تحقیق و ریسرچ میں صرف کیا تھا جیسا کہ ان کی سود کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے اس رکن سے میری مراد پروفیسر شیخ محمود احمد ہیں جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے لاہور میں انتقال ہوا، پینل کی رپورٹ کے متعلق انہوں نے اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا کہ رپورٹ میں سود کے متبادل جتنے معاملات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی حقیقت ' غرض اور معروضی نتائج کے لحاظ سے سود کے مترادف ہیں لہٰذا غیر اسلامی ہیں علاوہ ازیں اس رپورٹ میں سود کے متبادل تجویز کردہ معاملات میں ایک معاملہ " نفع و نقصان میں شراکت" کے نام سے بھی پیش کیا گیا اور اس کا نفاذ بھی عمل میں آیا' متعدد علماء کرام نے اس کے غیر سودی ہونے کی تردید کی اور دلائل کے ساتھ بتلایا کہ یہ بھی اپنی حقیقت ' غرض و غایت اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے سودی معاملہ ہے اس پر میرا بھی ایک مضمون متعدد ماہناموں اور ہفت روزوں میں کثرت کے ساتھ شائع ہوا اور علماء کرام کی نظر سے گزرا اور کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ جس ملک و معاشرے میں بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہو چونکہ اس کے اندر سرمایہ کاری کی ایسی بکثرت شکلیں موجود اور قانوناً جائز ہوتی ہیں جن میں ایک فریق دوسرے کو کاروبار وغیرہ کے لئے سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ اس کا سرمایہ قرض کی طرح محفوظ رہے گا اور وقت کے لحاظ سے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ بھی ضرور ہو گا لہٰذا اس کے اندر بینک کا ادارہ بھی صرف اسی طریقہ سے کام کر سکتا ہے یعنی وہ دوسروں سے جو مال لے اس کی حیثیت واجب الاداء قرض کی اور مدت کے لحاظ سے اس پر اضافہ بھی ضرور ہو ' اسی طرح بینک جن لوگوں کو کاروبار وغیرہ کے لئے مال دے اس کی حیثیت بھی واجب الادا قرض کی اور اس پر اضافہ ضروری ہو ' مالی لین دین کا یہ طریقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سودی طریقہ کہلاتا ہے ۔ بینک اس طریقہ کے سوا دوسرے کسی ایسے طریقہ سے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا جس میں مال والے فریق کے لئے کچھ اضافہ کے ساتھ اصل مال کی واپسی کی ضمانت نہ ہو ' مثلاً" مضاربت کا طریقہ کہ اس میں اضافہ تو درکنار اصل مال کی واپسی کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس میں مال والے فریق کام کرنے والے فریق کے پاس جو مال ہوتا ہے واجب الادا قرض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے امانت والے مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اگر کسی ارضی سماوی آفت سے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان امانت والے صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ قرض کا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں بھی مقروض کو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے قرض خواہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا ۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں بینک کا ادارہ مضاربت کی بنیاد پر نہیں چل سکتا مطلب یہ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر بینک کے ادارہ کو غیر سودی طریقوں سے چلایا جا سکتا ہے وہ مغالطے کا شکار ہیں اور دھوکے میں مبتلا' اسلامی بینکاری کے لئے یار لوگوں نے مختلف ناموں سے اب تک جتنے طریقے تجویز کئے ہیں وہ سب معنوی لحاظ سے سودی طریقے ہیں وہ برائی جو قرض والے سود میں پائی جاتی ہے وہ پوری طرح ان معاشی معاملات میں بھی پائی جاتی ہے جو بینکاری کے لئے متبادل طورپر تجویز کئے گئے ہیں ' ان متبادل طریقوں سے بینکاری کے معروضی اثرات و نتائج سو فیصد ویسے ہی ظاہر ہونا لازمی ہے جو موجودہ سودی بینکاری کے آج ہمارے سامنے ہیں ' مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اسلام کے نام پر جو نیا بینکاری نظام بنایا گیا ہے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے اس میں اور سابقہ غیر اسلامی بینکاری نظام میں کوئی خاص فرق نہیں جو غنی و مالدار لوگ سابقہ سودی بینکاری والے نظام سے جس طرح فائدے اٹھا رہے تھے وہی لوگ اسی طرح سے اس نئے بینکاری نظام سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اب بھی دولت کی گردش انہیں لوگوں کے درمیان محدود ہے جن کے درمیان سابقہ نظام بینکاری میں محدود تھی ' عام آدمی کو جو اپنی خستہ معاشی حالت کی وجہ سے نہ بینک کو پیسہ دے سکتا اور نہ اس سے قرض لے سکتا ہے نہ سابقہ نظام بینکاری سے کوئی فائدہ پہنچتا تھا اور نہ اس نئے نظام بینکاری میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو گویا معاشرے کی پچانوے فیصد آبادی کو بینکاری کے اس نظام کو لفظی تبدیلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس غیر فطری معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدم توازن میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی جو معاشرے میں پایا جاتا ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء کے دعوے غلط تھے جو وہ عام مسلمانوں کے سامنے کرتے رہے کہ اس میں نہ کوئی غریب رہتا ہے اور نہ امیر بلکہ سب تقریباً" برابر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ بلکہ کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے ہی بدگمان اور متنفر ہو جائیں یہ بھی بعید از عقل نہیں ' رہے مخالفین اسلام تو ان کو تو ایسی صورت میں اسلام کے خلاف زہر اگلنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا خوب موقع ملے گا ' بہر حال ایسی صورت میں اسلام کی نیک نامی کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تمام تر ذمہ دار اور قصور وار اسلام کے وہ ناداں دوست ہونگے جو بغیر سوچے سمجھے بے احتیاطی کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں اللہ ان کو حقیقت حال کے صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق بخشے!

ضمنی لیکن نہایت ضروری بحث کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں' میں سمجھتا ہوں گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اس سے مسئلہ زیر بحث کی غیر معمولی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ ان وجوہ کی بھی نقاب کشائی ہوگئی ہے جن کے سبب یہ مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بھی ہے۔

اب میں کچھ اس طریق کار کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس کا اختیار کرنا میرے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے ۔ طریق کار کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دلی خواہش و آرزو کا تعلق ہے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح میری آرزو بھی یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانی معاشرے سے موجودہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام ختم اور اسکی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم ہو' لیکن اس عالم اسباب میں محض خواہشوں اور تمناؤں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ضروری اسباب مہیا ہو جائیں جو قدرتی طور پر اس کے لئے مقرر ہیں مثلاً" ایک بھوکے پیاسے انسان کی بھوک پیاس محض کھانے اور پانی کی خواہش و آرزو سے دور نہیں ہوتی بلکہ اس وقت دور ہوتی ہے جب کھانا اور پانی حاصل کرکے کھایا اور پیا جاتا ہے اسلام چونکہ اسی اللہ رب العالمین کا ہدایت کردہ دین ہے جس نے عالم اسباب کو پیدا فرمایا ہے لہٰذا اسلام کی مسلمانوں کے لئے یہ تعلیم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہدایت ہے کہ وہ ہر مقصد حاصل کرنے سے پہلے وہ اسباب و وسائل مہیا کرنے کی پوری کوشش کریں اور نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب پر بھروسہ اور توکل کریں۔ مطلب یہ کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ ضروری اسباب مہیا کرنے کے بعد نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسے کا نام توکل ہے جس کی اسلام میں تعلیم ہے اور جو پیغمبر اسلامؐ کی سنت سے ظاہر ہے آپؐ نے ہمیشہ ہر مقصد سے پہلے اس کے لئے ضروری اسباب فراہم کرنے کی کوشش فرمائی اور کامیابی کے لئے اللہ سے دعا کی محض دعا پر بھروسہ نہیں فرمایا ' لہٰذا اتباع سنت نبوی کے تحت ہم مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہر نیک مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے ان اسباب کو معلوم کریں جن پر اس مقصد کے حصول کا دارومدار ہے اور پھر ان اسباب کو مہیا کرنے کی ہر ممکن سعی و کوشش کریں اور کامیابی کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں جو مسبب الاسباب ہے اور جس کے ہاتھ میں کامیابی کا پورا اختیار ہے۔

بہرکیف معاشرے میں معاشی نظام کی تبدیلی کا جو مقصد ہے وہ محض آرزو اور خواہش سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کا طریق کار اور طرز عمل کو معلوم اور اختیار کیا جائے جو اس عالم اسباب میں اس کے لئے مقرر ہے جہاں تک اس بارے میں میرے علم و فہم اور غور و فکر کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا جو کام ہے وہ قرآن حدیث کی روشنی و رہنمائی میں اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا علمی و فکری کام ہے موجودہ حالات میں یہ اہم علمی کام انفرادی کی بجائے اجتماعی طریقہ سے ہونا چاہیئے مطلب یہ کہ اس اہم علمی و فکری کام کو انجام دینے کے لئے ایسے علماء کرام کی ایک جماعت مقرر کی جانی چاہیے جو قرآن و حدیث کے وسیع و عمیق علم کے ساتھ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں سے بھی ایک حد تک واقف و آگاہ ہوں نیز ضروری ہے کہ اس کے ارکان کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر اور استنباط و استخراج کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے اور استدلال کے منطقی طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہوں اور کسی فقیہ کے اندھے مقلد نہ ہوں شخصیت سے زیادہ دلیل سے متاثر ہوتے ہوں ' اس جماعت کے ارکان کے لئے جدید معاشی علوم و افکار اور مروجہ معاشی نظاموں سے ایک حد تک واقفیت اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن و حدیث کی معاشی تعلیمات کا نہ معاشی مفہوم و مطلب اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کو معاشیات کی زبان میں سمجھایا اور معاشی نظام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح چونکہ مطلوبہ علمی کام اجتہادی نوعیت کا ہے لہٰذا اس کام کو انجام دینے والی جماعت کا استنباط و استخراج کی صلاحیت سے آراستہ اور استدلال کے فقہی اور منطقی طریقوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں مذکورہ اوصاف کے علماء بہت ہی کم تو ہو سکتے ہیں لیکن بالکل ناپید اور مفقود نہیں اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ تلاش و جستجو کی جائے تو چند ایک ضرور مل سکتے ہیں ایسے علماء کرام کو تلاش کرکے ایک جگہ جمع کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں' اس کام کو سرکاری اداروں کی بجائے غیرسرکاری آزاد علمی ادارے بہتر طور پر کر سکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ غیر حکومتی اور غیر سیاسی علمی و دینی اداروں کو ہی یہ اہم علمی کام کرنا کرانا چاہیے۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مجھے گزشتہ تیس سال سے اسلامی معاشیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی اور اس کی طرف بھرپور توجہ رہی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور سوچا اور پھر لکھا بھی ہے کہ جس کا کچھ حصہ علمی و دینی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچوں میں شائع ہوا اور کافی حصہ اب تک شائع نہیں ہوا' اس عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے سوچنے اور غوروفکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ قران و حدیث میں معاشی نوعیت کی جو تعلیمات ہیں وہ تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی مواعظ و ترغیبات کی ہے دوسری وہ جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور تیسری وہ جن کی حیثیت وقتی اور عارضی احکام و قوانین کی ہے ان تین طرح کی معاشی تعلیمات کے مابین کئی وجوہ سے فرق و مغائرت ہے اول الذکر اخلاقی تعلیمات احسان پر مبنی ہیں جس کے معنی ہیں رضاکارانہ طور پر اپنے حق کا دوسرے کے لئے ایثار کرنا' بالفاظ دیگر اپنی مرضی خوشی سے دوسرے کو وہ چیز دے دینا جس کا وہ قانوناً" حقدار نہ ہو' ثانی الذکر مستقل اور حقیقی قانونی تعلیمات عدل پر مبنی ہیں جس کے معنی ہیں معاملات میں ہر فریق کو اس کا حق ٹھیک اور پورا پورا ملنا' اور ثالث الذکر وقتی اور عبوری اور قانونی تعلیمات وقتی مصلحت پر مبنی ہیں جس کا مطلب ہے ناموافق حالات میں نسبتاً" جو بہتر ہو اس کو اختیار کرلینا دوسری وجہ ان تین طرح کی تعلیمات کے درمیان فرق و مغائرت کی یہ ہے کہ اول الذکر اخلاقی معاشی تعلیمات کی شرعی حیثیت نفل اور مستحب کی ہے جن پر عمل کرنے نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کا بندہ مومن کو اختیار ہوتا ہے چاہے تو ان پر عمل کرے اور چاہے تو نہ کرے البتہ ان پر عمل کرنا عنداللہ بڑے اجر وثواب کا موجب ہے اور نہ کرنا عنداللہ نہ گناہ اور نہ موجب عذاب' اسلامی حکومت ان کی پابندی پر کسی کو مجبور نہیں کر سکتی ہاں ترغیب ضرور دلا سکتی ہے مثلاً" جو افراد ان پر عمل کریں ان کو قومی اعزازات اور خاص مراعات سے نواز سکتی ہے جب کہ ثانی الذکر قانونی تعلیمات کی شرعی حیثیت فرض اور واجب کی ہے جن پر عمل کرنا لازمی و ضروری ہوتا ہے۔ گویا یہ اختیاری نہیں جبری نوعیت کی ہیں' اور یہ کہ ان کی پابندی موجب اجر و ثواب' نیکی' اور خلاف ورزی موجب عتاب و سزا جرم و گناہ ہے اسلامی حکومت ان قانونی تعلیمات کی پابندی پر شہریوں کو مجبور کر سکتی ہے چنانچہ خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیری سزا دے سکتی ہے اسی طرح تیسری تعلیمات جو وقتی اور عبوری احکام کی حیثیت رکھتی ہیں مخصوص عبوری حالات میں واجب العمل ہوتی اور حکومت ان کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے تیسری وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے مابین فرق و مغائرت کی یہ ہے کہ جو تعلیمات عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں ان پر عمل کے نتیجہ میں افراد کے معاشی حقوق پوری طرح محفوظ ہو جاتے اور معاشرے میں معاشی اعتدال و توازن وجود میں آتا ہے ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر آ جاتی ہیں اور معاشی ترقی کا موقع بھی مل جاتا ہے جب کہ احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان لوگوں کے تعلقات میں سکون بخش خوشگواری پیدا ہوتی اور عمل کرنے والوں کو اخلاقی و روحانی عظمت نصیب ہونے کے ساتھ معاشرے میں عزت اور قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ دوسروں پر احسان کرنا اور ان کو نفع اور راحت پہنچانا ایسا عمل ہے جس کو ہر انسانی معاشرے میں اچھا اور مستحسن سمجھا جاتا ہے اور عمل کرنے والے کی تکریم و توقیر کی جاتی ہے گویا یہ ایک عالمگیر اچھائی و سچائی ہے رہی تیسری نوع کی عبوری معاشی تعلیمات جو وقتی مصلحت پر مبنی ہوتی ہیں ان پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ظلم و فساد میں کچھ کمی واقع ہوتی اور اجتماعی حالت نسبتاً" بہتر بن جاتی ہے چوتھی وجہ ان تین قسم کی معاشیات تعلیمات کے درمیان فرق و مغائرت کی یہ ہے کہ عدل پر مبنی جو مستقل اور حقیقی قوانین کی طرح کی معاشی تعلیمات ہیں وہ اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے ایک ہی متعین شکل رکھتی ہیں نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی جب کہ احسان پر مبنی جو اخلاقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوعیت کی تعلیمات ہیں ان کی نظری اور عملی طور پر ایک سے زیادہ بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح وقتی مصلحت پر مبنی جو عارضی اور عبوری قسم کی قانونی تعلیمات ہیں ان کی بھی نظری اور عملی طور پر کوئی ایک متعین شکل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ کثیرالتعداد شکلیں ہو سکتی ہیں اس کی وجہ یہ کہ اول الذکر تعلیمات جس عدل پر مبنی ہیں اس میں مساوات و برابری کا تصور ہے اور ثانی الذکر تعلیمات جس احسان پر مبنی ہیں اس میں زیادہ کا تصور ہے جب کہ آخر الذکر تعلیمات جس مصلحت پر مبنی ہیں اس میں کم اور ادھورے کا تصور ہے اور چونکہ لین دین کے کسی معاملہ میں مساوات کی صرف ایک شکل ممکن ہوتی ہے لہٰذا عدل و مساوات پر مبنی تعلیمات کی بھی صرف ایک ہی شکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل چونکہ زیادہ اور کم کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں لہٰذا زیادہ اور کم پر مبنی تعلیمات کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں اس بات کی مزید وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میرا یہ کام کردو تو اس کی اجرت مثلاً" دس روپے ہو گی دوسرا وہ کام کر دیتا ہے تو دس روپے کا حقدار ٹھہرتا ہے اب اگر وہ کام کرانے والا کام کرنے والے کو پورے دس روپے دیتا ہے تو عدل کی شکل اور دس سے زیادہ دیتا ہے تو احسان کی شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل ہے یعنی پورے دس روپے دینا اور احسان کی بے شمار شکلیں ہو سکتی اس لئے کہ دس روپے پر زیادہ کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں دس روپے پر مثلاً" ایک پیسہ زائد ہو تو احسان کی ایک شکل ایک روپیہ زائد ہو تو دوسری شکل پانچ روپے زائد ہوں تو تیسری شکل اور دس روپے زائد ہوں تو چوتھی شکل۔ غرضیکہ مذکورہ معاملے میں احسان کی سینکڑوں ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں اس طرح مثال مذکور میں دس روپے سے کم کی پیسوں کے لحاظ نوسو ننانوے اور روپوں کے لحاظ سے نو شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک ظلم و حق تلفی کا مصداق قرار پاتی ہے۔ اس مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ لین دین کے مالی معاملہ میں عدل کے تعین پر احسان اور ظلم کے تعین کا دارومدار ہے اور یہ کہ عدل گویا احسان اور ظلم کے درمیان حد فاصل ہے جس کی ایک طرف کا نام احسان اور دوسری طرف کا نام ظلم ہے لہٰذا جب تک کسی معاملہ میں عدل کی شکل متعین نہ ہو اس میں احسان اور ظلم کی شکلیں متعین و معلوم نہیں ہوسکتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں مرتب اور پیش کیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل و حقیقی قوانین اور واجب العمل فرض احکام کی حیثیت رکھتی ہیں نہ احسان والی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر مرتب و پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ وقتی مصلحت والی عارضی اور عبوری تعلیمات کی بنیاد پر جو عبوری حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کے معاشی نظام کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں پر عقلی و نظری لحاظ سے بہتری و برتری ثابت کی جا سکتی ہے تو وہ بھی اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں جہاں تک احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات کا تعلق ہے ان کی تعلیم و ترغیب صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر سماوی دین و مذہب میں موجود ہے بلکہ لادین قسم کے انسانی معاشروں میں بھی ایسے لوگوں کو اچھا سمجھا اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی دوسروں کے لئے مالی ایثار کرتے اور رفاہ عام کے مصارف میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں حالانکہ وہ قانوناً" اس کے پابند نہیں ہوتے گویا احسان والی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام ادیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے کے جو معنوی اور روحانی محرکات اسلامی ہدایت میں ہیں وہ بہت قوی وزیادہ پائیدار ہیں بہرحال اسلام میں جو اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات ہیں ان کی بناء پر اسلام کے معاشی نظام کی بہتری و برتری دوسرے معاشی نظاموں پر ثابت نہیں کی جا سکتی اسی طرح اسلام کی ان معاشی تعلیمات کی بناء پر بھی اسلامی معاشی نظام کی دوسرے معاشی نظاموں پر بہتری اور برتری ثابت نہیں کی جا سکتی جو ناموافق عبوری حالات سے متعلق عبوری اور وقتی احکامات کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ان کے اندر کچھ نہ کچھ ظلم و حق تلفی کی برائی ضرور موجود ہوتی لہٰذا وہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے منشائے اسلام کے مطابق نہیں ہوتیں اور ان کا اختیار کرنا ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔" کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب مطلوبہ شے پوری نہ مل سکتی ہو بلکہ ادھوری مل سکتی ہو تو وقتی طور پر اسی کو اختیار کر لیا جائے اور پوری کے لئے کوشش جاری رہے یا یوں کیلئے کہ ان کا اختیار کرنا اھون البلیتین اور اخف الشرین کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری و ناگزیر ہو تو وقتی طور پر کم درجہ کی برائی کو اختیار کر لیا جائے یعنی نفرت کے ساتھ اور بالآخر چھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینے کے ارادہ سے بہرحال یہ عبوری حالات سے تعلق رکھنے والی معاشی تعلیمات ہرگز ایسی نہیں جن کی بناء پر اسلامی معاشی نظام کے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث میں معاشی نوعیت کی جو تین طرح کی تعلیمات ہیں وہ اپنی اساس و بنیاد ' اپنی حقیقت و ماہیت ' اپنی شرعی حیثیت و اہمیت ' اپنے منشاء و مقصد اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں ان میں سے ہر ایک کے اطلاق کا محل و موقعہ الگ اور جدا ہے لہٰذا ان کو آپس میں خلط ملط کرنا اور ملانا اصولاً غلط قرار پاتا اور ان کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوتا کہ ان میں سے بعض کو لیا اور بعض کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر نوع کی تعلیمات بجائے خود اہم اور ضروری ہیں اگرچہ ان کا محل موقعہ ایک دوسرے سے جدا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور تفحص کا تعلق ہے اسلامی معاشیات پر لکھی گئی کسی تحریر اور چھوٹی بڑی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسلام کی مذکورہ تین قسم کی معاشی تعلیمات پر بحث فرمائی ہو گویا کہ اس طرف توجہ گئی ہی نہیں اور یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل رہی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والے بعض حضرات نے مذکورہ تین قسم کی تعلیمات کو انمل بے جوڑ طریقہ سے آپس میں خلط ملط اور گڈ مڈ کر دیا دوسرے بعض حضرات نے صرف ایک نوع کی معاشی تعلیمات کو اسلام کی اصل معاشی تعلیمات قرار دے کر باقی تعلیمات کو تاویل کے ذریعے نظر انداز کر دیا مثلاً بعض نے احسان والی اخلاقی تعلیمات کو اصل قرار دے کر عدل اور مصلحت والی معاشی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا اور بعض نے اس کے بر عکس عدل والی تعلیمات کو اصل ٹھہرا کر احسان اور مصلحت والی تعلیمات سے صرف نظر کیا اور بعض نے بے سوچے سمجھے عدل والی مستقل قسم کی قانونی تعلیمات کو وقتی مصلحت والی عارضی قانونی تعلیمات سے ملا کر ایسا مجموعہ مرکب پیش کیا جس کے اجزاء کے مابین اتحاد کی بجائے تضاد پایا جاتا تھا گویا اسلامی معاشیات کے متعلق علماء کرام کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ قرآن و حدیث میں جو تین طرح کی معاشی تعلیمات اور ان کے درمیان فرق و مغائرت کی جو متعدد وجوہ تھیں ان کی طرف ذہن نہ گیا اور وہ نگاہ سے اوجھل رہیں بنا بریں ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر علمی کام کرنے والی جماعت مذکورہ حقیقت کو پوری طرح اور لازمی طور پر ملحوظ و مد نظر رکھے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے معاشی نظام کا خاکہ متفقہ صورت میں سامنے آئے۔

اسلامی معاشیات کے متعلق علماء اسلام کے مابین جو اختلافات ہیں انکا دوسرا سبب میرے نزدیک بحث و تحقیق کا وہ طریقہ ہے جو بعض جزوی معاشی معاملات کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے کے لئے عام طور پر اختیار کیا گیا بحث و تحقیق کے اس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں کسی کل کے اجزاء میں سے ایک جزء کی جزوی حقیقت اور حیثیت متعین کرنے میں نہ کل کے مقصد وجود کو اور نہ اس کے بقیہ اجزاء کو سامنے رکھا جائے بلکہ صرف دوسرے خارجی دلائل سے فائدہ اٹھایا جائے جن کی تعبیر و تشریح میں مختلف آراء کی گنجائش پائی جاتی ہو چونکہ بحث و تحقیق کا یہ طریقہ جن دلائل پر مبنی ہوتا ہے ان میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے لہٰذا نتائج میں اختلاف رونما ہونا قدرتی امر ہے۔

مثال کے طور پر معاملہ مزارعت کو لیجئے اس کی شرعی حیثیت کے متعلق علماء کرام کے مابین جو اختلاف ہے کہ بعض اس کو شرعی طور پر جائز اور دوسرے بعض اس کو ناجائز بتلاتے ہیں اس اختلاف کی بنیاد محض وہ احادیث و آثار ہیں جو مزارعت کے متعلق کتب و حدیث میں مذکور ہیں اور جن کے الفاظ سے مزارعت کا جواز بھی نکلتا ہے اور عدم جواز بھی۔ لہٰذا محض ان احادیث و آثار کی بنا پر مزارعت کو جائز کہنے کی بھی گنجائش ہے اور ناجائز کہنے کی بھی گنجائش، تو پھر ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہوسکتا حالانکہ اس کا ختم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ختم ہوئے بغیر اسلام کے حقیقی معاشی نظام کا تعین نہیں ہو سکتا اور یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ مزارعت کی بنیاد پر قائم زمینداری نظام از روئے اسلام جائز ہے یا ناجائز ؟ کسی اسلامی ملک و معاشرے میں اس کو قائم رہنا یا ختم ہو جانا چاہیے؟ آج ہم یہ کہہ کر پوچھنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ فلاں امام و فقیہ کے نزدیک یہ جائز اور فلاں امام اور فقیہ کے نزدیک ناجائز ہے وہ اللہ اور رسول اور قرآن و حدیث کے حوالے سے صرف ایک بات سننا اور جاننا چاہتے ہیں دو مختلف اور متضاد باتیں ایک ہی معاملہ کے متعلق سننا اور جاننا نہیں چاہتے لہٰذا ضروری ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو اختلاف ہے وہ دور ہو اور صرف ایک بات واضح اور قطعی صورت میں سامنے آئے، اور میں سمجھتا ہوں ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب معاملہ مزارعت کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے میں صرف احادیث و آثار یعنی روایات پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور دیکھا جائے کہ عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز اور درست و نادرست کے متعلق قرآن حکیم میں جو اصولی اور کلی ضابطہ ہے اس کے مطابق معاملہ مزارعت جائز و درست معاملات کی فہرست میں آتا ہے یا ناجائز و نادرست معاملات کے زمرہ میں شامل ہے اور یہ کہ قرآن مجید میں معاشی حق اور معاشی عدل اور معاشی ظلم کا جو اصولی تصور ہے اس کی روشنی میں معاملہ مزارعت اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاشی عدل کا مصداق ٹھہرتا ہے یا معاشی ظلم کا مصداق ؟ نیز یہ کہ اسلام اپنی معاشی ہدایات و تعلیمات کے ذریعے معاشرے میں جو معاشی اعتدال و توازن پیدا کرنا چاہتا ہے وہ معاملہ مزارعت کے جواز سے پیدا ہوتا ہے یا اس کے عدم جواز سے نیز اسلام جس طرح کے معاشرتی سیاسی اور تمدنی حالات پیدا کرنا چاہتا ہے مزارعت کا جواز اور رواج ان کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے یا ممد معاون ثابت ہوتا ہے ؟ ان تمام امور پر غور و فکر کیا جائے اور ان کو مزارعت کے جواز و عدم جواز کی بحث میں پوری طرح ملحوظ رکھا جائے تو ایک متفقہ اور یقینی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں اور موجودہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے جو اس کے جواز و عدم جواز میں پایا جاتا ہے۔

مزارعت کی طرح جن دوسرے معاشی امور و معاملات کے شرعی حکم یعنی جواز و عدم جواز کے متعلق علماء کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بھی بحث و تحقیق کے اس نئے سائنسی اور عقلی اسلوب سے دور کئے جا سکتے ہیں اور ایک متفقہ اور یقینی صورت سامنے آ سکتی ہے۔

مقصد اس دوسرے سبب اختلاف کو بیان کرنے کا یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے تعین پر علمی کام کرنے والی مجوزہ جماعت اس کو بھی ضرور ملحوظ اور پوری طرح سامنے رکھے تاکہ جو متعین ہو متفقہ طور پر متعین ہو۔ اسلامی معاشیات سے متعلق علماء اسلام کے درمیان اختلافات کا تیسرا سبب جس کا ذکر ضروری ہے یہ ہوا کہ اسلامی معاشیات پر علمی کام کرنے والوں میں سے بعض نے اس کا التزام اور اہتمام کیا کہ اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کہی اور لکھی جائے وہ موجودہ حالات میں لوگوں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسلام آج کے حالات میں قابل عمل نہیں لہٰذا انہوں نے اسلام کی خیر خواہی کے جذبے سے رائج الوقت سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے ہر ہر جز کو حیلوں اور تاویلوں کے ذریعے اور الفاظ کے ردو بدل سے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ادارہ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا حکومت کے جاری کردہ مختلف قسم کے سرٹیفکیٹ اور بانڈز کے لین دین کا ادارہ، اسلام کے حوالے سے ان کو جائز ٹھہرایا۔ غرضیکہ ان کا تجویز کردہ اسلامی معاشی نظام، بنیادی طور پر نظام سرمایہ داری ہی کی دوسری شکل ہے۔ اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ لہٰذا اس سے ہمارے اس دعوے کی صاف تردید ہوتی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ معاشی نظام سے بنیادی طور پر مختلف اور افادی طور پر بہتر ہے ممکن ہے کہ یہ حضرات اس دعوے کو ہی قائل نہ ہوں یا یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کو موجودہ حالات کے مطابق بنانے کی فکر و کوشش میں اتنے منہمک اور مستغرق ہو گئے ہوں کہ ان کو اپنے دعوے کا خیال ہی نہ رہا ہو بہر حال ان حضرات کا تجویز کردہ اسلام کا معاشی نظام اس سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہے جو اسلام کے حقیقی مآخذ قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

مذکورہ اہل علم حضرات کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے اسلام کے معاشی نظام کی تعبیر و ترجمانی میں سختی کیساتھ یہ رویہ اور طرز فکر اختیار کیا کہ اسلامی معاشی نظام کے متعلق اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کہی اور لکھی جائے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو یعنی اس کا اجمالی یا تفصیلی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو اس کی کچھ پروا نہ کی جائے کہ وہ موجودہ حالات میں قابل قبول اور قابل عمل ہے یا نہیں، گویا ان کا موقف یہ رہا کہ اسلام کو حالات کے مطابق بنانے کی بجائے حالات کو اسلام کے مطابق بنایا جائے چنانچہ ان حضرات نے رائج الوقت سرمایہ دارانہ نظام کو ربوٰ و سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے غیر اسلامی قرار دیا اور ایسے تمام معاملات کو اسلام کی رو سے حرام و ناجائز بتلایا جو ربوٰ و قمار یعنی سود اور جوئے پر مبنی اور نظام سرمایہ داری کے عناصر ترکیبی تھے چنانچہ طرز فکر کے مذکورہ اختلاف کے نتیجہ میں بہت سے وہ اختلافات وجود میں آئے جو اسلامی معاشیات سے متعلق علماء کے مابین موجود ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام کا معاشی نظام ایک چیستاں اور خواب پریشان بن کر رہ گیا ہے۔

اس تیسرے سبب اختلاف کے بیان سے بھی مقصود یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی علماء کی مجوزہ جماعت اس پہلو پر بھی ضرور نگاہ رکھے اور وہ طرز فکر اور انداز تحقیق اختیار کرے جس سے حقیقی اسلام کا تحفظ ہوتا اور اسلام کا وہ اصل معاشی نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آتا ہو جو قرآن و حدیث میں ہے۔

پھر جب اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا مرحلہ خیر و خوبی کے ساتھ اور اطمینان بخش طور پر طے ہو جائے تو اس کے بعد کا مرحلہ اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ ہے جس کے متعلق پہلے کافی تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام صرف ایسے معاشرے میں نافذ ہو سکتا اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے جس کے اندر خاص طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہو نیز یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول سے مراد کیسا ذہنی اور خارجی ماحول ہے اور یہ بھی کہ وہ کس طریقہ سے معرض وجود میں آ سکتا ہے اسی طرح یہ بھی اظہار حقیقت کے طور پر عرض کیا گیا تھا کہ موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں بالخصوص پاکستانی معاشرے کے اندر وہ ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہیں جو اسلامی معاشی نظام کے عمل میں آنے اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لئے ضروری ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں پاکستانی ملک و معاشرے کے لئے اپنے ہاں اسلامی معاشی نظام نافذ اور رائج کرنے کا صحیح طریق کار صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی معاشی نظام کو بطور نصب العین اور آخری منزل کے پوری طرح سامنے رکھے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ درجہ بدرجہ اور مرحلہ بمرحلہ اس کی طرف بڑھنے اور پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتا رہے چنانچہ اس کے لئے ضروری ہو گا کہ ایک طرف مطلوبہ ذہنی ماحول پیدا کرنے کے لئے ایمانی عقائد پر مشتمل نظام تعلیم اور اس ذہنی ماحول کو قائم برقرار اور زندہ رکھنے کے لئے اسلامی عبادات و اخلاق پر مشتمل نظام تربیت عمل میں لائے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کو رواج دے تاکہ ذہنوں میں نہایت وسیع و ہمہ گیر عدل و احسان کی طرف رغبت اور ہر قسم کے ظلم و عدوان سے نفرت کے جذبات موجزن ہوں جن کی تحریک سے ایک انسان بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر دوسرے انسان سے عدل و احسان کا برتاؤ کرے یعنی نہ صرف یہ کہ دوسرے کا حق اس کو ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا دے بلکہ اپنے حق کا اس کے لئے ایثار کرے اور اس کا مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کرنا ہو اس کے اندر نفع اندوزی کی بجائے خلق خدا کی نفع رسانی کا ولولہ ہو ہر دوسرے کے ساتھ اس کا سلوک و برتاؤ ایسا ہو جیسا وہ اپنے لئے دوسرے سے چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے ذہنوں میں اس بات کو بٹھائے اور راسخ کرے تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہیں کسی کو کسی پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رنگ نسل وطن زبان خاندان نسب و ذات کی بناء پر فضیلت و برتری حاصل نہیں اسی طرح مال و دولت اور جاہ و اقتدار بھی وجہ فضیلت اور سبب عزت و شرف نہیں بلکہ فضیلت و شرف اور عزت و تکریم کا ایک اور صرف ایک سبب تقویٰ ہے جس کے عملی مظاہر میں سے سب سے بڑا اور نمایاں مظہر خلق خدا کے ساتھ احسان اور ایثار سے پیش آنا اور بے لوثی کے ساتھ ان کو نفع پہنچانا ہے بنا بریں ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسا معاشرتی ماحول تیار کیا جائے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز تمام افراد کو بنیادی انسانی حقوق یکساں طور پر حاصل ہوں اور عزت و بڑائی کا معیار مال و دولت اور جاہ و اقتدار نہ ہو بلکہ نیکی اور تقویٰ اور احسان و ایثار ہو جو جتنا نیک متقی اور احسان و ایثار کرنے والا ہو اتنا ہی وہ معاشرے میں معزز و مکرم ہو۔ اسلامی معاشی نظام کے بروئے کار آنے کے لئے مذکورہ معاشرتی ماحول اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلامی معاشی نظام میں مال و دولت کو جمع رکھنے کی بجائے راہ خدا اور رفاہ عام کے مصارف میں خرچ کر دینے کی جو تعلیم اور قارونیت کی جو ممانعت ہے اس پر مذکورہ ماحول کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں عزت و بڑائی کا معیار مادی مال و متاع ہو اور ہر اس شخص کو معزز اور بڑا سمجھا جاتا ہو جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال و دولت ہو تو اس میں مال و دولت حاصل کرنے اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی اور ہر ایک تکاثر یعنی زیادہ سے زیادہ اور بڑے سے بڑا مالدار بننے کے خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ عام بدامنی اور بے چینی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کو اسلام نہیں چاہتا۔

سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کے لئے جس دوسری چیز کا وجود ضروری ہے اور جس کو وجود میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے وہ بنیادی معاشی ضروریات میں خود کفالت ہے مطلب یہ کہ ایسی تمام چیزیں ملک کے اندر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیے جو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہیں آسائش اور تعیش کی چیزوں کی طرف اس وقت توجہ دی جائے جب ضروریات میں خود کفالت حاصل ہو جائے کیونکہ جو مسلم معاشرہ بنیادی معاشی ضروریات میں خودکفیل نہ ہو بلکہ وہ ان کے لئے غیرمسلم معاشروں کا محتاج و دست نگر ہو تو وہ زندہ رہنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ غیر مسلم معاشروں سے ان کہ شرائط اور خواہشات کے مطابق ضروریات زندگی حاصل کرے اور اس کی یہ مجبوری اپنے اسلامی معاشی اصولوں پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اسلامی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لئے جس خارجی ماحول کا وجود ضروری ہے اس کا ایک پہلو سیاسی آزادی اور کامل خود مختاری بھی ہے یعنی مسلمہ معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے تسلط سے آزاد اور پوری طرح خودمختار ہو یعنی وہ اپنے معاملات بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی سے طے کر سکنے کی پوزیشن میں ہو کیونکہ جو معاشرہ اور ملک کسی دوسرے معاشرے اور ملک کے زیر تسلط اور ماتحت ہو وہ اپنے ہاں کوئی ایسا معاشی نظام رائج نہیں کر سکتا جو اوپر والے مسلط ملک و معاشرے کے مفادات سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا مسلمان معاشروں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ غیرمسلم معاشروں کے تسلط سے کامل طور پر آزاد اور خود مختار ہونے کی ہرممکن کوشش کریں اس کے لئے وہ ایسے سب طریقوں سے کام لیں جو شرعاً" جائز ہوں اور جن کو اختیار کرنے سے کامل آزادی اور خودمختاری کا مقصد حاصل ہوسکتا ہو' یہاں یہ عرض کر دینا غیرمناسب نہ ہوگا کہ آج بہت سے مسلم ممالک کو جو آزادی و خودمختاری حاصل ہے وہ محض نام کی اور ناقص آزادی و خودمختاری ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں ان کی تمام پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں میں باہر والوں کا کتنا عمل دخل ہوتا ہے۔ خارجی امور میں ہی نہیں داخلی امور میں بھی ان کو مغربی ممالک کی مرضی کا کتنا خیال اور لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ بہرحال جو مسلم ممالک اور معاشرے اپنے ہاں اسلام کے اجتماعی نظام کو کامل طور پر عمل میں لانا اور بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے لازمی و ضروری ہے کہ وہ سیاسی طور پر مکمل آزاد و خودمختار اور معاشی ضروریات کے لحاظ سے خودکفیل اور خود مکتفی بننے کی انتہائی سعی و کوشش اور پوری جدوجہد کریں۔

واضح رہے کہ سطور بالا میں یہ جو عرض کیا گیا ہے کہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لئے خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب تک وہ خاص طرح کا مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول کامل طور پر وجود میں نہ آجائے اصلاح کے سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھایا اور اس ظالمانہ معاشی نظام میں کوئی تغیر اور ردوبدل نہ کیا جائے جو فی الوقت معاشرے میں موجود ہے بلکہ مطلب یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ کامل طور پر اسلام کا معاشی نظام تو بلاشبہ اسی وقت عمل میں آسکتا ہے جب وہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پوری طرح عمل میں آجائے لیکن ناقص طور پر اس وقت بھی عمل میں آسکتا ہے جب مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول ناقص طور پر موجود ہو۔ لہٰذا ایسے اسلامی معاشرے کے لئے اسلام کی ہدایت و تعلیم یہ ہے جس نے اجتماعی طور پر یہ طے کرلیا ہو کہ اس نے اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو ضرور بالضرور اپنانا اور کامل طور پر عمل میں لانا ہے اور وہ سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ اس ذہنی اور خارجی ماحول کو وجود میں لانے کی بھرپور کوشش بھی کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہے' کہ وہ برابر اس پر نظر رکھے اور پورے غور سے جائزہ لیتا رہے کہ اس کی کوششوں کے نتیجہ میں ذھنی اور خارجی حالات کی کس قدر اصلاح وجود میں آئی ہے اور پھر اس کے مطابق اپنے لئے عبوری لائحہ عمل تیار کرے جو عام لوگوں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو اور جس پر عمل کرنے سے قدم آگے کی طرف بڑھتا اور اصل منزل مقصود قریب ہو جاتی ہو۔ ہوسکتا ہے پاکستان جیسے معاشرے کو اصل منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے متعدد عبوری مراحل سے گزرنا اور ہر مرحلہ کے لئے عبوری لائحہ عمل بنانا اور تیار کرنا پڑے۔

عبوری لائحہ عمل کے متعلق یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ وہی عبوری لائحہ عمل' صحیح اور درست لائحہ عمل ہوسکتا ہے جو اس وقت کے عبوری حالات سے مطابقت رکھتا اور معاشرے کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ اس کے نفاذ سے مخالفانہ ردعمل کا ظہور نہ ہوسکے جس کا نتیجہ حاصل شدہ فائدہ کے مقابلہ میں نقصان کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے۔ دوسری چیز جو عبوری لائحہ عمل کی صحت و درستی کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ اس پر عمل کرنے سے منزل مقصود کچھ نہ کچھ ضرور قریب ہوتی ہو' چنانچہ جو عبوری لائحہ عمل ایسا نہ ہو وہ غلط و باطل قرار پاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبوری لائحہ عمل بنانے کا کام خاصا نازک' پیچیدہ اور مشکل کام ہے جس کو علماء و مفکرین کی ایک ایسی جماعت انجام دے سکتی ہے جو اعلیٰ علم و فہم کے ساتھ اجتماعی حالات پر گہری اور وسیع نظر رکھتی اور ان اسباب و عوامل کو علیٰ وجہ البصیرت جانتی ہو جن کے زیراثر انسانی معاشرے میں تبدیلیاں رونما ہوتی اور تعمیر و تخریب' بناؤبگاڑ اور عروج و زوال کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

پھر چونکہ عبوری لائحہ عمل جو مخصوص قسم کے ذہنی و خارجی حالات میں وقتی مصلحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خاطر بنایا جاتا ہے عدل کامل سے مطابقت نہیں رکھتا اور اس میں ظلم و حق تلفی کا کچھ نہ کچھ عنصر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کو حقیقی طور پر اسلامی سمجھنا اور کہنا درست نہیں ہوسکتا۔ بنابریں اس کے متعلق نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ اعلان ضروری ہوتا ہے کہ یہ لائحہ عمل حقیقی طور پر اسلامی نہیں بلکہ اس کو اسلام کے اس اصول کے تحت وقتی طور پر بنایا اور اختیار کیا گیا ہے کہ جب حالات ایسے ہوں کہ خیر کامل کا حصول ناممکن ہو البتہ خیر ناقص حاصل ہوسکتی ہو تو وقتی طور پر خیر ناقص کو اختیار کرلیا جائے اور خیر کامل کے لئے کوشش جاری رہے۔ بالفاظ دیگر جب حالات ایسے ہوں کہ دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری اور ناگزیر ہو تو جو برائی نسبتاً کم درجہ کی ہو وقتی طور پر اس کو اختیار کرلیا جائے۔ عبوری لائحہ عمل کے متعلق مذکورہ اعلان اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو اختیار کرنے والے غلطی سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ مستقل اور دائمی ہے لہٰذا آگے چل کر جب اس کو چھوڑنے کا مرحلہ آئے تو ان کو اس کے چھوڑنے میں دقت و دشواری محسوس ہو کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ وقتی اور عارضی سمجھ کر اختیار کرتا ہے اس کے ترک کرنے میں اس کو کوئی خاص دقت و دشواری پیش نہیں آتی۔ آسانی کے ساتھ ترک کر دیتا ہے۔ مذکورہ اعلان کے ضروری ہونے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد کسی مخالف اسلام کو اس عبوری لائحہ عمل کی بنا پر یہ کہنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا کہ یہ لائحہ عمل مسلمانوں کے اس بلند بانگ دعوے سے مطابقت نہیں رکھتا جو وہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق عام طور پر کرتے ہیں کہ وہ افادی طور پر باقی سب معاشی نظاموں سے بہتر اور اپنے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔

عبوری لائحہ عمل کے متعلق ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام عبوری لائحہ عمل بنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی اجازت صرف ایسے اسلامی معاشرے کو دیتا ہے جس نے صدق دل سے قطعی طور پر یہ طے کرلیا ہو کہ وہ اپنے ہاں اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو ضرور بروئے کار لائے گا اور پھر اس کے ساتھ وہ پوری سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پیدا کرنے کی امکانی کوشش بھی کر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ یہ اجازت اور رعایت ایسے اسلامی معاشرے کے لئے نہیں جس کا قصد و ارادہ نہ اسلام کے حقیقی مثالی معاشی نظام کو بالآخر اپنے ہاں عمل میں لانا اور نافذ کرنا ہو اور نہ وہ مطلوبہ ذہنی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خارجی حالات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہیں کیونکہ عبوری لائحہ عمل تو ہو ہی وہ سکتا ہے جو کسی مستقل اور دائمی لائحہ عمل تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہو گویا اس کی حیثیت اصل مقصد کی نہیں بلکہ مقصد کے ذریعے اور وسیلے کی ہوتی ہے۔

اور چونکہ عبوری معاشی لائحہ عمل کی حیثیت، حقیقی و مستقل معاشی لائحہ عمل کے لئے وسیلے و ذریعے کی ہوتی ہے لہٰذا کسی عبوری معاشی لائحہ عمل کے متعلق یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، اصل معیار حقیقی معاشی لائحہ عمل ہوتا ہے چنانچہ جو عبوری معاشی لائحہ عمل، مخصوص عبوری حالات میں قابل عمل ہونے کے ساتھ حقیقی معاشی لائحہ عمل کے زیادہ مماثل و مشابہ ہو وہ صحیح اور جو کم مشابہ و مماثل ہو وہ غلط قرار پاتا ہے۔

دراصل اس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کی دوسرے غیراسلامی معاشی نظاموں پر علمی و عقلی طریقہ سے فوقیت و برتری ثابت کی جائے جیسا کہ عام طور پر ہمارا دعویٰ ہے اور دوسرا مقصد یہ کہ آج ہم مسلمانوں کی عام طور پر جو خراب و خستہ معاشی حالت ہے اس کو بتدریج اور مرحلہ وار ٹھیک اور درست کیا جائے۔ پہلا مقصد اسلام کے حقیقی اور مستقل عادلانہ معاشی نظام کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے جس کا تعین سب سے پہلے ضروری قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسرا مقصد عبوری معاشی لائحہ ہائے عمل کے ذریعے پورا کیا جاسکتا ہے جو معیشت کی گاڑی کو چلائے رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

جہاں تک عبوری معاشی لائحہ عمل کے شرعی جواز کا تعلق ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث کی ان نصوص سے بخوبی فراہم ہوتا ہے جن میں مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے اندر بعض ایسے معاشی معاملات کے رواج کا ذکر ہے جو آخر میں تحریم ربوٰ کے اعلان کے ساتھ ممنوع قرار پائے جیسے مخابرہ وغیرہ۔

اور پھر ہم عام طور پر یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے اندر ہر دور اور ہر زمان و مکان کے انسانوں کے لئے قابل عمل ہدایت و راہنمائی پائی جاتی اور ہر دور کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے یہ دعویٰ معاشی اور سیاسی مسائل کی بہ نسبت صرف اسی صورت میں صحیح ثابت ہوسکتا ہے جب اس کے اندر عبوری حالات کے لئے عبوری لائحہ عمل کا تصور اور جواز موجود ہو کیونکہ اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو مذکورہ مسائل کی حد تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ دعویٰ درست نہیں رہتا کہ اسلام ہر دور اور ہر عہد میں ان مسائل کے لئے قابل عمل ہدایت و راہنمائی دیتا ہے کیونکہ ان مسائل کے متعلق اسلام کا جو حقیقی اور مستقل ضابطہ ہدایت و راہنمائی ہے ہر طرح کے ذہنی اور خارجی دباؤ کے ماحول میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا جیسا کہ پہلے اسی مضمون میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کے متعلق لکھا اور عرض کیا جاچکا ہے۔

قارئین کرام! مسئلہ مذکور کے حل کے لئے میں نے جو طریق کار عرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اس میں طویل وقت کا لگنا لازمی ہے۔ لیکن اگر مقصود پرامن طریقہ سے معاشرے کی پائدار اصلاح ہے تو وہ مذکورہ طریق کار کے بغیر ممکن نہیں، نیز میرے علم و فہم کے مطابق یہی طریق کار صحیح اسلامی طریق کار ہے۔

***

© rasailojaraid.com